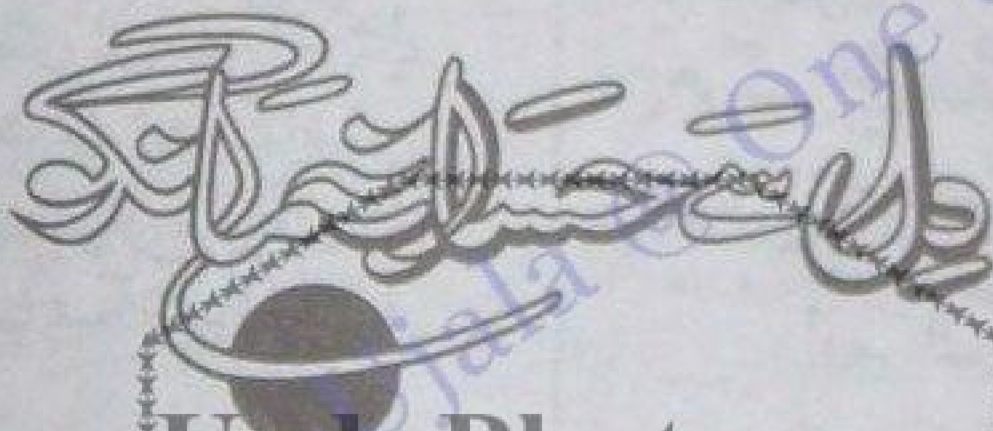
عالیہ بخاری



انہیں نیک بن جانے سے زیادہ خود کو نیک کہلوانے کا شوق تھا اور......

ساری گڑبڑ اسی شوق کی پیداوار تھی۔

بچپن میں والد صاحب قبلہ کی معیت میں سر پر کروشیہ کی سفید ٹوپی پہن کر مسجد جاتے تو بجائے نماز میں دل لگانے کے اس فکر میں غلطاں رہتے کہ آس پاس کھڑے لوگوں نے ان کا نوٹس بھی لیا ہے۔ انہیں کسی دن ابا کا کوئی واقف کار آتے جاتے کہہ اٹھتا کہ "صاحب بچے تو آپ کے ماشاءاللہ بہت سعادت مند ہیں۔" تو جمع کے صیغے کا استعمال عزیز اجمل کو

لٹکتا۔ اس تعریف کے حقدار تو وہ اکیلے ہی تھے۔ گلی ڈنڈے بجاتا پھرنے والا ان کا چھوٹا بھائی بلال تو قطعی اس قابل نہ تھا۔

وہ جز بز سے ابا کی طرف دیکھتے کہ شاید وہ غلطی کرنے والے کی تصحیح کردیں مگر وہ ان کے خاموش احتجاج کی پروا کیے بغیر خوشی خوشی اس تعریف کو وصول کرتے اور آگے بڑھ جاتے۔

اسکول میں ٹیچرز کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وہ پڑھائی سے زیادہ ٹیچرز کے آگے پیچھے پھرنے کو اہمیت دیتے۔ ان کے چھوٹے موٹے کام اپنے سر لینے کی کوشش کرتے۔ کچھ تو بچہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے مگر وہ جو شاگردوں کی تعلیمی حالت پر گہری نظر رکھنے والے تھے، وہ سختی سے ان کی ایسی کوششوں کو بے کار کر دیتے۔

”میاں! ان کاموں کے لیے اسکول میں چپڑاسی موجود ہے، آپ کے کرنے کے لیے اور بہت کچھ ہے۔“ وارث صاحب حساب کے ٹیچر تھے اور یہی مضمون عزیز اجمل کی دکھتی رگ تھا۔ لہٰذا ان کی دیگر تعلیمی سرگرمیوں پر سب سے زیادہ سرزنش وارث صاحب ہی کی طرف سے ہوتی تھی۔ ہاں ٹیوشن والے ٹیچر کے لیے عزیز اجمل کا دم بہت غنیمت تھا۔ ایک تو ان کے گھر پڑھنے آنے والے بچوں کی تعداد اتنی زیادہ

تھی کہ ان سے سنبھالے نہیں سنبھلتی تھی۔ دوسرے وہ خود بھی اساتذہ کے جینوئن طبقے سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اپنے اسٹوڈنٹس کی تعلیمی استعداد بڑھانے سے زیادہ انہیں شاگردوں کی تعداد بڑھانے میں دلچسپی رہتی تھی۔

آٹھویں میں پڑھنے والے عزیز اجمل پہلی دوسری کلاسوں میں پڑھنے والے بچوں کو بخوبی سنبھال لیتے تھے اور بدلے میں ٹیوشن والے ٹیچر سالانہ امتحان میں اپنے مضمون کے علاوہ دوسرے مضامین میں بھی انہیں رعایتی نمبر ضرور دلوا دیتے۔ یوں امداد باہمی کا یہ سلسلہ کامیابی سے چلتا رہا۔

مگر چین و آشتی کا یہ دور مختصر تھا۔

نویں کلاس کے نتیجہ میں ان کی ایک ساتھ چار مضامین میں ناکامی نے ابا کو سخت قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔

”خبردار جو میرے سامنے یہ چکنی چپڑی باتیں کیں۔ زندگی عمل سے بنتی ہے اور وہ تمہارے پاس ندارد ہے۔“

صفائی کی ہر کوشش ناکام ہوئی تو [illegible] سمجھ گئے۔ کتابیں سنبھالنی پڑیں اور پھر اگلے کچھ سالوں میں ابا کے ڈنڈے کا ہی ڈر غالب رہا جو وہ گرتے پڑتے بی اے پاس کر گئے۔ اس سے آگے پڑھنے کا یارا انہیں تھا۔

”سب سے اہم فرض والدین کی خدمت ہے۔ بلال تو طبعیتاً ”لاپروا“ ہے‘ اس لیے مجھے ہی فکر کرنی پڑے گی۔ ابا کو بھی اب اللہ اللہ کرنے کے لیے وقت ملنا چاہیے۔ اچھا ہے کہ دکان کی ساری ذمہ داری میں ہی سنبھال لوں۔“ وہ تنہائی میں اماں کو بریفنگ دے رہے تھے جس کا اثر لازماً ہونا تھا۔

اماں نہال ہو گئیں۔

اللہ نے انہیں کیسا سعادت مند اور ذمہ دار بیٹا دیا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے ان کے منہ سے عزیز اجمل کی تعریفیں سنائی دینے لگیں۔ سو کام اور آسان ہوا۔ شروع سے ہی اپنا نام اوپر رکھنے اور مطلب نکالنے کے فن میں طاق تھے‘ اس بار بھی کامیاب رہے۔

ابا چاہتے تھے کہ عزیز ابھی مزید تعلیم حاصل کریں۔ وہ خود زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے‘ اس کمی کو اولاد کی شکل میں پورا کرنا چاہتے تھے پر عزیز اجمل اب کسی طور پر بھی علم کا بار گراں اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ سو ابا کی تمام دلیلیں بے اثر گئیں۔ وہ بے چارے ابھی سے ایک کونہ سنبھال کے بیٹھنے کے حق میں نہیں تھے۔ نماز روزے و دیگر امور میں بھی شرعی حدود کو ذہن میں رکھتے تھے اور بڑی حد تک ان کی پابندی کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

”رزق حلال کی خاطر تگ و دو کرنا بھی عبادت ہے۔“ یہ بات عزیز اور ان کی اماں کو سمجھانے کی ان کی ہر کوشش ناکام رہی۔ کچھ دنوں کی بحثا بحثی کے بعد انہیں دکان کا انتظام بیٹے کے سپرد کرنا پڑا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ خود بھی عزیز اجمل کا ہاتھ بٹانے کے لیے وہاں موجود رہا کریں گے مگر یہ خیال بھی خام نکلا۔ ہاتھ میں انتظام آتے ہی عزیز اجمل نے بڑی ترکیبیں لڑا کر انہیں گھر تک ہی محدود کروا دیا۔ اماں نے اس سلسلے میں بڑی مدد کی۔ روزانہ ہی کوئی نہ کوئی ایسی مصروفیت تیار رکھتیں کہ [illegible] پھنس کر رہ گئے بے چارے دکان کا رخ ہی نہیں کر پائے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی اس چھوٹی سی راج دھانی سے بالکل ہی بے دخل ہو گئے۔

بلال کی حیثیت گھر میں ایک خاموش تماشائی کی سی تھی۔

کھونٹی پر اماں کا استری شدہ چکن کا سوٹ دیکھ کر وہ ذرا چونکے۔ یہ اہتمام ان کے کہیں جانے کا اعلان کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ پوچھتے‘ اماں کھانے کی ٹرے لیے خود ہی چلی آئیں۔

”تمہارے ہی انتظار میں تھی اب تک کہ تم آ کر کھانا کھا جاؤ۔ مجھے ذرا رفو کے گھر جانا ہے‘ کل سے اس کی طبیعت خراب ہے۔“ وہ ڈونگے اور پلیٹیں میز پر رکھتے ہوئے بولیں۔

”رفو خالہ کے ہاں‘ مگر آج کیوں؟ پرسوں چلی چلیے گا‘ میں لے چلوں گا آپ کو۔“ عزیز اجمل نے ذرا اسٹپٹا کر تجویز پیش کی کہ رفو خالہ کے ہاں جانے کی خو

ان کی پیشی تمنا رہتی تھی۔

"تو بھلا پرسوں کیوں؟ طبیعت اس کی آج خراب ہے پرسوں کیا کرتا ہے مجھے؟" اماں کو ان سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

"دراصل پرسوں اتوار ہے' دکان بند رہے گی۔ میں آپ کو لے چلتا آرام سے۔"

"تو بیٹا! ابھی بھی میں خیر سے آرام سے ہی جاؤں گی۔ نیچے سے رکشہ پکڑنا ہے اور بس۔ کوئی پیدل تھوڑی چلنا ہے۔" اماں یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

عزیز نے ایک نگاہ کھانے کی میز پر ڈالی۔ کوفتے کا سالن' ماش کی دال' سلاد' چاول' روٹی' کھانے کا ہر مینیو ان کا حسب پسند ہوتا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ رفو خالہ کی فکر بھلا کر اللہ کا شکر کر کے کھانے پر بیٹھ جاتے مگر اس وقت جیسے بھوک ہی اڑ گئی تھی۔

وہ دوپہر کے کھانے کے لیے اسٹور پر ملازم لڑکے کو چھوڑ کر آیا کرتے تھے۔ ان کا یہ اسٹور اسی پلازہ میں نیچے بنی ہوئی دکانوں میں تھا۔

"ایسا کرتا ہوں کہ میں بھی چلتا ہوں' تھوڑی دیر کے لیے ابا جا کر اسٹور پر بیٹھ جائیں گے۔ خوامخواہ [illegible] کو اکیلا جانا پڑے گا۔" اماں کپڑے تبدیل کر کے آئیں تو وہ بے دلی سے دو چار لقمے کھا چکے تھے۔ وہ اپنا مطلب بھی ایسے ہی بیان کیا کرتے تھے جس میں دوسرے پر احسان کا پہلو نکلتا ہو لیکن یہاں دوسرا کوئی اور نہیں' ان کی اپنی والدہ ماجدہ تھیں جو ان کا لاکھ دم بھرنے کے باوجود بھی جب موڈ میں نہیں ہوتیں تو ان کی ایک نہ چلنے دیتیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

"تمہیں میری کاہے کو فکر پڑ گئی۔ میں کوئی ننھی بچی ہوں؟ دسیوں بار اکیلی جا چکی ہوں۔" وہ اپنی نئی چادر الماری سے نکالتے ہوئے بولیں۔ "اور اپنے ابا سے کہنا بھی مت۔ رات سے گھٹنوں میں درد ہے' گرم پانی کی بوتل لیے لیٹے ہیں۔ سن لیا تو ابھی اٹھ کر چل دیں گے۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی۔

اب مزید اصرار اماں کو مشکوک بلکہ مشتعل بھی کر سکتا تھا۔ سو وہ چپکے بیٹھے رہے۔ حالانکہ دل تو بہت اکسا رہا تھا کہ اس بہانے نازیہ کا دیدار نصیب ہونے کا پورا چانس تھا۔ نازیہ رفو خالہ کی سب سے بڑی بیٹی تھی' خاندان کی سب سے خوبصورت' ذہین اور سلیقہ مند لڑکی۔

اس کی ان ہی خصوصیات کی بنا پر عزیز اجمل اسے چاہنے کے دعوے دار تھے اس یقین کے ساتھ کہ خود ان میں بھی مذکورہ بالا خصوصیات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔ خوبصورتی اور ذہانت کے متعلق تو کسی کی شامت نے دھکا دیا تھا جو شبہ کا اظہار کرتا۔ سلیقہ مند وہ اپنی نگاہ میں اس لیے ٹھہرے کہ ان کے پاس کپڑوں اور جوتوں کا بہترین کلیکشن تھا۔ سالوں پرانی چیز بھی ان کے پاس بہترین حالت میں رہتی' ورنہ ان سے چھوٹا بلال تو ہمیشہ پھٹے حال ہی رہتا تھا۔

"تمہارے کھانے کی وجہ سے رکی ہوئی تھی' ورنہ کب کی چلی گئی ہوتی۔" اماں نے دروازے کا رخ کرتے ہوئے جتایا۔ ابا اور بلال تو ان کی غیر موجودگی میں آرام سے کھانا وغیرہ نکال کر کھا لیتے تھے بلکہ کچھ کمی ہو تو اسے پورا بھی کر لیتے تھے مگر عزیز اجمل کے [illegible] تھی۔ کھانے کے لوازمات میں کسی بھی چیز کی کمی ان کا موڈ خراب کر دیتی تھی۔ پہلی اولاد تھی' اماں نے شروع سے ناز اٹھائے تھے' سو آج بھی اٹھا رہی تھیں۔

عزیز اجمل کچھ جھنجلائے ہوئے سے بالکونی میں آ کھڑے ہوئے۔ ان کا فلیٹ سیکنڈ فلور پر تھا۔ ذرا جھک کر دیکھا تو اماں نظر آ گئیں اور ان کے پاس بائیک روکے بلال کھڑا تھا۔ غالباً یونیورسٹی سے آ رہا تھا۔

اماں نے پل دو پل کے لیے اس سے کچھ بات کی پھر اطمینان سے اس کے پیچھے براجمان ہو کر یہ جا وہ جا۔

عزیز اوپر کھڑے کھولتے ہی رہ گئے۔

بلال ٹھہرا زمانے کا فارغ۔ اس کے معمولات میں ہر طرح کی بے قاعدگی تھی۔ ابھی کی مثال سامنے تھی۔ صبح سویرے کا گھر سے نکلا ہوا تھا اور اب آیا تو پھر الٹے پاؤں واپس ہو لیا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ رفو خالہ کے ہاں پہنچ کر اسے کہیں اور جانا یاد آ جائے۔

انہیں بھائی کی عادات پر سخت اعتراض رہتا۔ اس کا حلقۂ احباب بھی زیادہ قابل اعتبار نہیں تھا ان کی نظروں میں، جن کے درمیان بیٹھ کر وہ اونچے اونچے قہقہے لگایا کرتا تھا۔

اماں چائے کا کپ رکھ گئی تھیں جو یوں ہی رکھے رکھے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ایک گھونٹ پی کر انہوں نے کپ کو پٹخ دیا۔ چائے چھلکی، کچھ پرچ اور کچھ ٹیبل پر گری۔ وہ سب کچھ ویسا ہی چھوڑ کر زینے کی جانب بڑھ گئے۔

اسٹور پر پہنچ کر بھی دل نہیں لگا۔ رفو خالہ کے گھر گئے ہوئے کتنے دن ہو گئے تھے، وہ انگلیوں پر حساب لگانے لگے۔

دراصل ان کے گھر روز روز جانا آسان نہیں تھا جس کی بڑی وجہ رفو خالہ کے میاں تھے۔ وہ الگ ہی مزاج کے شخص تھے۔ دو ٹوک انداز میں بات کرنے والے۔ اپنے بچوں کو بھی انہوں نے ایک حد میں آزادی دی ہوئی تھی۔ نازیہ اور رابعہ ان کی دو بیٹیاں اور ان سے چھوٹے دو بیٹے تھے۔

عزیز اجمل کو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی نازیہ اور رابعہ ان کے گھر رفو خالہ کے بغیر رکی ہوں۔ سال بھر میں تین یا چار چکر ان لوگوں کے یہاں کے لگتے ہوں گے مگر مجال ہے جو کبھی رفو خالہ کے بغیر آئی ہوں یا وہ ان دونوں کو ایک دن کے لیے بھی چھوڑ کر گئی ہوں۔ حالانکہ عزیز اجمل کی اماں ان لوگوں کی سگی اور اکلوتی خالہ تھیں۔

اسی طرح جب وہ کبھی اماں کے ساتھ یا اکیلے رفو خالہ کے ہاں جا ٹپکتے تو رفو خالہ کے میاں ایسے چوکس ہو کر بیٹھ جاتے کہ بے چارے عزیز اجمل تھوڑی ہی دیر میں نروس ہونے پر مجبور ہو جاتے۔ خالو کی موجودگی میں لڑکیوں کے سلام کا جواب بھی نگاہ نیچے کیے کیے ہی دیتے پھر بھی خالو کا اعتماد جیتنے میں ناکام ہی رہتے۔ وہ بے حد مشکوک انداز میں ان پر نظر رکھتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ جس جگہ جا کر بیٹھ جاتے، وہیں سے واپسی کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ کزنز والی بے تکلفی کا ان کے ہاں گزر نہیں تھا۔ خالو کی غیر موجودگی میں وہ ذرا کھل کر دو چار باتیں کر لیتے اور بس۔

دکان پر ان کا ذرا بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ دل اور دماغ دونوں ہی رفو خالہ کے آنگن میں پہنچے ہوئے تھے جہاں اب اماں اور بلال پہنچنے والے ہوں گے۔

آج کا چانس مس ہونے کا انہیں خاصا غم تھا اور اس غم کو ابھی پوری طرح منا بھی نہ پائے تھے کہ آصف آ گیا۔ یہ ان کا اکلوتا رازدار دوست تھا جو دوسری کئی باتوں کے ساتھ ساتھ عزیز اجمل کے عشق کے اس یک طرفہ ٹریفک کے بارے میں بھی آگاہ تھی۔

اس وقت وہ ایسے موقع پر آیا تھا کہ انہیں دل ہلکا کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ سو ملازم لڑکے کو چائے لانے کے لیے روانہ کر کے وہ اسے اپنی روداد غم سنانے بیٹھ گئے۔

”بڑے سے بڑا احمق بھی تم سے بڑا نہیں ہوگا۔“ آصف نے گویا فیصلہ سنا دیا۔ ”کہاں یار! یہ حیلے بہانے ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ جانا چاہتے ہو اٹھو موٹر سائیکل اٹھاؤ اور چلے جاؤ ورنہ اسی طرح گھٹن محسوس کرتے رہے تو ہو چکا بیڑہ پار۔“ آصف کی جھاڑ انہیں ذرا بھی بری نہیں لگی۔ ظاہر ہے وہ ان کی بھلائی کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔

”مگر یار وہ خالو......“

”ارے گولی مارو خالو کو۔“ آصف کو واقعی ان پر غصہ آ رہا تھا۔

عزیز اجمل نے انہیں بے بسی سے دیکھا۔ ”کاش کہ خالو کو گولی مارنا اتنا آسان ہوتا۔“ ان کے دل نے خواہش کی جس پر دوسرے ہی لمحے لاحول بھی پڑھ ڈالی۔

چند گاہک آ گئے تو گفتگو کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ گاہکوں کو ڈیل کرنے کا ان کا خاص انداز تھا۔ ابا کا اختیار ختم کرنے کے بعد سے دکان میں دو نمبر کا مال بری طرح بھر گیا تھا اور اس دو نمبر کے مال کو وہ کمال کی خود اعتمادی کے ساتھ بیچتے تھے۔ ان کی خوش مزاجی اور گاہکوں کو

رعایت دینے کی شہرت بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ نمبردو کے مال میں منافع کی شرح اتنی زیادہ تھی کہ وہ پانچ دس کی رعایت دے کر بھی زبردست طریقے سے کمارہے تھے۔ ایک صاحب کسی ٹوتھ پیسٹ کی شکایت لے کر آئے تھے۔ عزیز اجمل نے نہ صرف یہ کہ ان کی بات کو تحمل سے سنا بلکہ معذرت کر کے انہیں دوسرا پیک نکال کر بھی دیا۔ ہاں آدھی قیمت مزید وصول کرنا وہ نہیں بھولے۔

"آپ کی خاطر یہ آدھی قیمت کا نقصان ہمیں برداشت کرنا پڑے گا۔" انہوں نے الٹا احسان بھی رکھا۔

گاہک بے چارہ ممنونیت کے مارے دو ایک فالتو چیزیں بھی خرید کر لے گیا۔ آصف ان کاروباری حربوں سے واقف تھا۔ اس وقت بے نیازی سے چائے پینے میں مصروف ہوگیا۔

گاہکوں سے فرصت ملی تو وہ پھر آصف کے ساتھ باتوں میں لگ گئے۔

"اب تو تمہارا کاروبار بھی ماشاء اللہ سیٹ ہوتا جارہا ہے۔ کوئی عملی قدم [illegible] یونہی [illegible] سر پر سوار رکھا تو کوئی اور بازی مار جائے گا۔" آصف نے ڈراوا دیا جو کہ کارگر رہا۔

کسی اور کے بازی لے جانے کا خیال ہی انتہائی تکلیف دہ تھا۔ تمام خوبیوں اور خامیوں سے قطع نظر انہیں نازیہ واقعی پسند تھی اور وہ اس کے متعلق بے حد سنجیدگی سے سوچتے تھے۔ آصف کو کچھ کام تھا' وہ جلدی اٹھ گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد بھی وہ اس کے کہے ہوئے جملوں کی گرفت میں رہے۔ اگر کہیں اس کا کہا سچ نکلا تو وہ کہیں کے نہیں رہیں گے۔"

دکان بند ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔ پر اب دل لگائے نہیں لگ رہا تھا۔ سو ملازم لڑکے کو دکان بند کرنے کی ہدایت کی۔ اس جلدی چھٹی پر اس نے بھی خوشی خوشی سارا کام جلد ہی سمیٹا اور چابی ان کے حوالے کردی۔

گھر پہنچے تو بلال کو غیر متوقع طور پر گھر میں ہی پایا۔ اماں ابھی نہیں آئی تھیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بلال تو انہیں چھوڑ کر گھنٹے بھر میں ہی واپس آگیا تھا۔

"آپ جب جلدی آہی گئے ہیں تو جا کر اماں کو لے آیئے۔" انہیں خالی بیٹھے ٹی وی کے چینل گھماتے دیکھا تو بلال نے کہہ دیا۔

عزیز اجمل یہی سننا چاہ رہے تھے' پر اپنی بے چینی پر پردہ ڈال کر بے نیازی سے بولے۔ "ایسی کوئی خاص ضرورت تو نہیں میرے جانے کی۔ خالو رکشہ کروادیں گے اماں کو' آجائیں گی۔"

"خالو تو ملتان گئے ہوئے ہیں تین دن سے۔" بلال نے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے اطلاع دی۔ "آپ کا موڈ نہیں ہو رہا ہے تو رہنے دیں' کھانا کھا کر میں لے آؤں گا اماں کو۔"

خالو کا ملتان جانا خوشی کی خبر تھی۔

وہ فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اگر انہیں یہ اطلاع تین دن قبل ہی مل جاتی تو وہ تین دن میں رفو خالہ کے گھر کے تین چکر تو ضرور ہی لگا لیتے۔

"[illegible] کھانا لگا رہا ہوں' کھانا کھا کر چلے جایئے گا مگر انہوں نے ذرا [illegible] نہ دی۔

"تم ابا کا خیال رکھنا' انہیں کھانا وغیرہ کھلا کر دوا ضرور دے دینا۔" وہ اسے ہدایتیں دے کر باہر نکل آئے۔ نیچے اترے تو اچانک ہی سامنا نچلی منزل پر رہنے والے دبیر صاحب کی بیٹی ہما سے ہوگیا۔ وہ شاید ابھی اپنے آفس سے آرہی تھی۔ دن بھر کی تھکان اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ ایک اچٹتی ہوئی نگاہ عزیز اجمل پر ڈال کر وہ ذرا رخ موڑ کر اپنے دروازے پر دستک دینے لگی۔

دبیر صاحب کو ان کی بلڈنگ میں آئے بمشکل دو ڈھائی ماہ ہی ہوپائے تھے۔ کسی دفتر میں ملازم تھے۔ تفصیلات جاننے کی کوشش عزیز اجمل نے کی ہی نہیں تھی۔ شاید کر بھی لیتے' اگر انہیں ابتدائی دنوں سے ہی ہما سے پرخاش نہ ہو جاتی۔ عام سی شکل و صورت والی یہ لڑکی پہلے دن سے ہی ان کے لیے چیلنج بن گئی تھی۔

اپنے بارے میں وہ جن خوش فہمیوں کا شکار تھے ان کی بنا پر ہما کو بھی وہ پہلے مسکرا کر دیکھتے تھے مگر وہ اللہ کی بندی بھی جانے کیا مزاج لے کر اس بلڈنگ میں آئی تھی جو کبھی اس نے فارمیلٹی نبھانے کی بھی کوشش کی ہو۔ بس سخت سا چہرہ کر کے گزر جاتی۔ سو دو چار بار منہ کی کھانے کے بعد عزیز اجمل کی گڈ بک سے دبیر صاحب کی فیملی کا نام ہمیشہ کے لیے خارج ہو گیا تھا۔

اس وقت بھی وہ اس تیزی کے ساتھ ہما کے پاس سے گزرے گویا ٹرین چھوٹی جا رہی ہو۔

"ہونہہ! سارے زمانے میں خوار پھرتی ہیں اور بنتی بڑی پارسا ہیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے۔ اچھا بھلا خوشگوار موڈ غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ دبیر صاحب کی فیملی کے بارے میں دو چار فقرے اور جب ان کے ذہن میں ابھر رہے تھے پر اس وقت تاؤ کھاتے رہنے کا مطلب تھا کہ رفو خالہ کے گھر جانے کا سارا چارم کھو دیا جائے۔ لہٰذا وہ ذہن سے تمام ناپسندیدہ باتوں کو جھٹک کر نازیہ کے خیال کو اجاگر کرنے میں مصروف ہو گئے۔ خیال غضب کا سحر آفریں تھا۔ رفو خالہ کے گھر کا راستہ لمحوں میں طے ہو گیا۔

اندر داخل ہوئے تو اماں چادر اوڑھے صحن میں ہی کھڑی تھیں اور جملہ اہل خانہ انہیں رخصت کرنے کے لیے وہیں موجود تھے۔

ان کی نگاہ پل کے پل میں گوہر مقصود کا دیدار کر کے واپس آئی۔ نازیہ کا مسکراتا ہوا چہرہ زمانے بھر کی خوبصورتی سمیٹے ہوئے تھا۔ کم از کم عزیز اجمل کو ایسا ہی محسوس ہوا۔

"تمہیں بھلا آنے کی کیا ضرورت تھی، میں تو اب آ ہی رہی تھی۔" اماں نے ذرا کوفت سے کہا۔

بلال نے یقیناً انہیں عزیز اجمل کے پہنچنے کا فون نہیں کیا تھا۔

"چلو خیر ہے، اب آ ہی گئے ہو تو ذرا دیر بیٹھ جاؤ۔" رفو خالہ نے خواہ "رسماً" ہی کہا ہو مگر وہ کھل سے گئے۔ اماں کا ارادہ تو انہیں "فوراً" ہی واپس لے جانے کا تھا مگر وہ اتنی جلدی واپسی کے موڈ میں نہیں تھے۔

"اور جناب! آج کل کیا ہو رہا ہے۔" ذرا سکون سے بیٹھتے ہی انہوں نے بشاش لہجہ میں نازیہ کو مخاطب کیا۔

"ہونا کیا ہے عزیز بھائی! وہی کالج اور گھر کی مصروفیت ہے، اسی میں سارا دن نکل جاتا ہے۔" سادہ سے لہجے میں بتانے لگی۔

"اچھی بات ہے۔ لڑکیوں کو ویسے بھی گھر میں ہی دل لگانا چاہیے، یہاں وہاں مارے مارے پھرنا مجھے قطعی پسند نہیں ہے۔" ذہن میں نہ جانے کہاں سے پھر ہما کا چہرہ گھوما۔

نازیہ ہنسنے لگی۔ "آپ تو بہت کنزرویٹو سوچ رکھتے ہیں عزیز بھائی! ملک کی آدھی آبادی کو گھر میں بند رکھ کر آپ کس طرح تعمیر و ترقی کے دعوے کر سکتے ہیں اور پھر آج کل کی خوفناک مہنگائی میں تو لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد اپنے گھروں کو مالی سپورٹ دینے میں مصروف ہے۔" اپنی بات کو ختم کرتے کرتے وہ سنجیدہ ہو چکی تھی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" عزیز اجمل گڑبڑا کر بولے۔ یہ دقیانوسیت کا طعنہ انہیں بہت برا لگا تھا۔

"میں تو ان لڑکیوں کی بات کر رہا ہوں جو محض اپنے فیشن اور گھر کی ذمہ داری سے فرار کی خاطر۔۔۔"

"معاف کیجیے گا۔" نازیہ نے بے زاری سے ان کی بات کاٹی۔ "ایسی لڑکیوں کی تعداد ہمیشہ بہت کم ہوتی ہے جنہیں اپنی ذمہ داریوں کا ادراک نہ ہو، ورنہ مڈل کلاس گھرانوں کی لڑکیوں کی اکثریت بے حد باشعور اور حساس ہوتی ہے اور جہاں تک فیشن کا سوال ہے تو ایک حد تک ہر لڑکی کو خود کو مین ٹین رکھنے کا فن آنا چاہیے۔" نازیہ کا موڈ تھوڑا سا بگڑ چکا تھا۔

وہ بے وقوفوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

رفو خالہ کی بیٹیاں یوں دو ٹوک بات کرنے کی عادی ہوں گی، اس کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔ خالو کی موجودگی میں ان سے کبھی کھل کر بات ہی نہیں ہو پاتی تھی۔

نازیہ اب ارد گرد پھیلی ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔

س کی یہ بے تو جبھی دیکھ کر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ بھلا وہ کیا یہاں "آزادیٔ نسواں" کے کسی مباحثے میں حصہ لینے آئے تھے جو یہ ضوع پر باتیں کرنے بیٹھ گئے۔

رابعہ ان کے لیے بھی ٹرے میں کھانا لے آئی۔ باقی سب لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے لیے ان کا ساتھ دینے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ کوئی بھوک بھی نہیں تھی، پر اس بہانے کچھ دیر مزید رکا تھا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے رفو خالہ کے چھوٹے نواسے باتیں کرنے لگے۔ آٹھویں کلاس کا بچہ کے دو چار سوالوں کا جواب دے کر کھسک لیا۔

نازیہ اب اماں اور رفو خالہ کے قریب جا بیٹھی تھی۔ کی غیر موجودگی کا زریں موقعہ پھر نہ جانے کب ملتا عزیز اجمل سوچ کر آئے تھے کہ آج نازیہ پر اپنے حال اشارتاً" ہی سہی، ظاہر ضرور کریں گے۔ اسی میں غلطاں چمچ سے پلیٹ میں چاول ادھر ادھر رہے تھے کہ اماں کی آواز نے چونکا دیا۔

"ارے بیٹا! اب اٹھنے کی فکر کرو، کتنی رات ہو گئی تمہارے ابا اور بلال پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"ابا تو اب سو چکے ہوں گے اماں! اور رہا بلال تو وہ نیچے دوستوں کے ساتھ محفل جمائے بیٹھا ہو گا۔ کے علاوہ اسے کام ہی کیا ہے۔" وہ عادتاً بلال کی کرنے سے باز نہ آئے۔ ہاتھ دھو کر واپس آئے تو ان کی تابعداری، قابلیت اور کام سے لگن کا قصہ ے بیٹھی تھیں۔ اپنی تعریف سن کر خوش ہونا ان کی کمزوری تھی، سو بڑی طمانیت محسوس ہوئی۔

"بیٹے تو آپ کے دونوں ہی ماشاء اللہ قابل ہیں" رفو خالہ انہیں تعریفی نگاہوں سے دیکھ رہی

"بس اللہ کا کرم ہے۔" اماں نے عاجزی سے کہا۔

ایک بار پھر بلال ان کے لیے کی جانے والی تعریف حصہ دار بن بیٹھا تھا۔ عزیز اجمل کی سمجھ میں نہیں آتا کہ بلال میں کیا خوبی لوگوں کو دکھائی دے جاتی ہے جو وہ یوں نیک کلمات کا حقدار بن جاتا ہے۔

رابعہ چائے لے آئی تھی۔ اماں کی اب مزید رکنے کی ذرا بھی مرضی نہیں تھی، پر عزیز اجمل چائے کا کپ اٹھا چکے تھے۔ "چلتے چلتے ہیں اماں! کون سا خالہ کے ہاں روز روز آنا ہوتا ہے۔"

نازیہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ چائے کا کپ لیے یونہی برآمدے کی طرف چلے آئے۔

نازیہ وہیں تھی۔

"آپ یہاں ہیں، میں آپ کو اندر تلاش کر رہا تھا۔" انہوں نے ممکنہ حد تک لہجے میں مٹھاس سمو لی۔

نازیہ ہنسنے لگی۔ "تلاش تو آپ ایسے کہہ رہے ہیں جیسے ہمارا ہزار گز پر بنا ہوا گھر ہے۔"

وہ جھینپ سے گئے۔ فلموں، افسانوں میں تو ہیرو یونہی ہیروئن سے بات کرنے کا آغاز کرتے ہیں۔

"کبھی ہمارے یہاں بھی آجایا کریں۔ لگتا ہے ہمارا گھر آپ کو پسند نہیں۔" انہوں نے پھر ہمت پکڑی۔

"آپ کے گھر نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں بے چارے کو ناپسند کروں گی۔" نازیہ ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔ "سچی بات یہ ہے کہ ٹائم ہی نہیں ملتا۔"

"ٹائم تو نکالا جاتا ہے۔" عزیز اجمل تہیہ کیے ہوئے تھے کہ کچھ نہ کچھ ایسا کہنا ضرور ہے جو نازیہ تک ان کے جذبات کی جھلک تو ضرور پہنچا دے۔ "دل میں لگن ہو تو انسان سو بہانے ڈھونڈ لیتا ہے، جیسے ہم آپ کو دیکھنے کی خاطر کھنچے چلے آتے ہیں۔"

نازیہ ہکا بکا ان کی شکل دیکھنے لگی۔

عزیز اجمل اپنی ہمت پر خود کو داد بھی نہیں دے پائے تھے کہ اماں بمعہ رفو خالہ کے باہر نکل آئیں۔

"چائے ختم ہوئی تمہاری کہ نہیں؟ اسی وقت نکل گئی ہوتی تو کب کی گھر پہنچ چکی ہوتی۔ تمہاری وجہ سے کتنی دیر ہوئی ہے مجھے بھی!"

اماں کو جلدی سونے کی عات تھی۔ انہیں فجر میں اٹھنا ہوتا تھا۔ بیٹے کی وجہ سے ان کے معمول میں آج خلل پڑ گیا تھا، جو کہ ظاہر ہے انہیں ناگوار گزرا تھا۔

چائے وہ پی چکے تھے۔ یونہی خالی کپ ہاتھ میں تھامے کھڑے تھے۔ رابعہ نے ان سے کپ لیا تو وہ فوراً ہی چلنے کو تیار ہو گئے۔ اماں کے موڈ کے بگڑنے سے وہ بہت گھبراتے تھے۔ غصہ میں وہ اردگرد لوگوں کی موجودگی کی زیادہ پروا نہیں کرتی تھیں اور نازیہ کے سامنے اماں کے ہاتھوں عزت افزائی کم از کم آج انہیں بھی گوارا نہیں تھی۔

"آیئے گا خالہ آپ بھی، ان سب لوگوں کو لے کر" بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے انہوں نے گیٹ پر کھڑی رفو خالہ کو دعوت دی۔ نازیہ کا چہرہ ان کے عقب سے غائب ہو چکا تھا۔

عزیز اجمل کو تھوڑی سی مایوسی ہوئی۔ کیا تھا جو وہ انہیں مسکرا کر خدا حافظ ہی کہہ دیتی! بہت سے خوش کن قیافے وہ خود لگا لیتے۔

بہر حال!

دل کو تسلی دینے کے لیے بہت جواز تھے۔ "بھلا لڑکیاں اتنی آسانی سے اپنی دل کا بھید کہاں دیتی ہیں۔" عزیز اجمل [illegible] خود کو سمجھاتے رہے۔

☼ ☼ ☼

بلال کو دبیر صاحب کے فلیٹ کے اندر گئے ہوئے پورے پچیس منٹ ہونے کو آئے تھے اور [illegible] کے آثار نہیں تھے۔

عزیز کا کوفت کے مارے برا حال تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دبیر صاحب کے دروازے کو دھکا مار کر بلال کو اندر سے گردن سے پکڑ کر نکال لائیں۔ اسی بے تابی میں وہ کئی بار سیڑھیوں تک جا کر واپس آئے تھے۔ سامنے دیوار پر لگی گھڑی میں اب ساڑھے گیارہ کا وقت ہو رہا تھا۔ اتنی رات گئے بلال کا دبیر صاحب کے گھر ٹھہرنا انہیں سخت تشویش میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔

اماں اور ابا سو چکے تھے ورنہ وہ کب کا اماں کو بلال کے بلانے کے لیے بھیج چکے ہوتے اور جانے کو تو وہ خود بھی جا سکتے تھے مگر پچھلے چند دنوں میں [illegible] صاحب کے گھرانے سے بڑھتے ہوئے [illegible] ان کی بلال سے کئی بار جھڑپ ہو چکی تھی۔ [illegible]

دبیر صاحب چند دنوں سے کچھ بیمار تھے [illegible] بھی نہ ہوتی اگر وہ بلال کو پابندی سے [illegible] والے ڈاکٹر صاحب سے دبیر صاحب کی [illegible] نہ دیکھ لیتے۔ اب عزیز اجمل ایسے فرعون [illegible] کہ انسانی ہمدردی کے اس مظاہرے [illegible] کرتے۔ صرف اتنا ہی کہ بیٹھے بٹھائے [illegible] بیٹی شہر کے ایک سرے سے دوسرے [illegible] آزادی سے پھر سکتی ہے تو یقیناً دو قدم سے [illegible] لا سکتی ہے۔"

بس اتنی سی بات کا ہی بلال نے بے حد [illegible] تھا۔ "آپ کو تو خوامخواہ کی پرخاش ہے [illegible] ذمہ داریاں انہیں بے چاری کے سر ہیں [illegible] نہیں ہے۔" وہ ہمسائے کے بارے میں ایک لفظ [illegible] کے لیے تیار نہیں تھا اور [illegible] کہ اماں بھی [illegible] تھیں۔ انہیں ویسے بھی پڑوس کے حقوق کا [illegible] خیال بہت تھا۔

اماں کی شہہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ بلال کی ہمدردیاں [illegible] صاحب کے گھرانے کے ساتھ اب تیزی سے [illegible] تھیں۔ وہ ان لوگوں کے چھوٹے موٹے دوسرے [illegible] بھی نپٹانے لگا تھا۔

دو دن پہلے ہی عزیز اجمل نے اسے دبیر صاحب [illegible] چھوٹے بیٹوں کو اسکول پہنچاتے ہوئے دیکھا [illegible] میں پوچھنے پر معلوم ہوا تھا کہ ان دونوں کی اسکول [illegible] کسی وجہ سے نہیں آ پائی تھی۔ اس کے علاوہ [illegible] کبھی ان کے گیس، بجلی کے بل جمع کراتا اور [illegible] سودا سلف لاتا نظر آ ہی رہا تھا۔ اور اس کی [illegible] عزیز اجمل کے لیے بے حد پریشان کن تھیں۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونکے۔ اب تقریباً [illegible] بج رہا تھا۔ بلال اندر آ رہا تھا۔

"تمہیں کچھ شرم کوئی احساس ہے یا بالکل [illegible] حس ہو چکے ہو جو ایک غیر گھر میں اس وقت [illegible]

جا بیٹھے تھے۔ ارے کچھ نہیں تو آس پاس کے لوگوں کی ہی شرم کرلو۔ برسوں سے یہاں عزت کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ ان لوگوں کا کیا ہے، انہیں تو یہاں آئے چار دن ہی ہوئے ہیں، ہمارا تو ایک نام ایک......"

"اچھا! اچھا! بس کریں۔" بلال نے جو پہلے تو حیرت سے منہ کھولے ان کی جھاڑ سن رہا تھا، تلخی سے ان کی بات کاٹی۔ "فضول اندازے لگانے مت بیٹھ جایا کریں۔ انکل دبیر باتھ روم میں سلپ ہو گئے تھے۔ ان کے گھر میں کوئی دوسرا مرد تو ہے نہیں، اسی لیے انہوں نے مجھے بلوایا تھا۔ وہ تو شکر ہے کوئی فریکچر وغیرہ نہیں ہوا۔ اسپتال سے دکھا کر لا رہا ہوں۔"

"اکیلے گئے تھے؟" اتنی وضاحت سے دل کو کچھ قرار محسوس ہوا تو پوچھ بیٹھے۔

"نہیں، آنٹی اور ہما بھی ساتھ گئی تھیں۔"

"اوہ!" عزیز اجمل کی اوہ معنی خیز تھی۔ بلال اپنے کمرے میں جاتے جاتے رک گیا۔

"یہ ہما کا ساتھ کچھ زیادہ ضروری نہیں ہوتا جا رہا تمہارے لیے؟" وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

بلال کا چہرہ لمحہ بھر کو سرخ ہوا۔ "آپ کے دماغ میں زیادہ ہی فضولیات بھری ہیں۔ اس کا علاج فی الحال سب سے زیادہ ضروری ہے۔" اتنا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور دروازہ یقیناً اندر سے لاک کر لیا۔ بند دروازہ عزیز اجمل کو اپنا منہ چڑاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ بلال نے کبھی ان کے ساتھ اس قدر ہتک آمیز انداز میں بات نہیں کی تھی۔ آج کی اس بے عزتی کا سبب بھی ہما ہی کی ذات بنی تھی۔

وہ اندر ہی اندر کھول رہے تھے۔ دبیر صاحب کے گھرانے کا اپنے پڑوس میں قیام اب ان سے زیادہ دن تک برداشت نہیں ہو سکے گا۔ یہی سوچ کر انہوں نے ابھی ہی دبیر صاحب کے مالک مکان سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جب سے دبیر صاحب نے فلیٹ کرائے پر لیا تھا وہ اب ایک نسبتاً "بڑے" فلیٹ میں قریب ہی ایک دوسری عمارت میں شفٹ ہو چکے تھے۔ عزیز اجمل کی ان سے اچھی خاصی دعا سلام تھی۔ اسی بنا پر انہیں یقین تھا کہ وہ ان کی گزارشات پر ہمدردی کے ساتھ غور کریں گے۔

☆ ☆ ☆

رات کو دیر سے نیند آئی اور جتنی دیر سوئے، اس میں بھی دبیر صاحب، ہما اور بلال کے چہرے خواب میں گڈمڈ ہوتے نظر آتے رہے۔ صبح بلال ان کے اٹھنے سے پہلے ہی گھر سے نکل چکا تھا۔ عزیز اجمل اپنا اسٹور ساڑھے دس بجے تک کھولا کرتے تھے۔

"دبیر صاحب کی بیوی صبح ہی صبح شکریہ ادا کرنے آئی تھیں۔ بلال کی بہت تعریف کر رہی تھیں کہ اگر رات وہ نہ ہوتا تو نہ جانے کتنی پریشانی اٹھانی پڑتی۔ بے چاری بہت دعائیں دے کر گئی ہیں۔"

اماں ٹی پاٹ سے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے بتانے لگیں۔ عزیز اجمل کو اس ذکر سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ پر اپنی ناگواری کو چھپاتے ذہن میں اپنے جملے ترتیب دیتے رہے جنہیں سنتے ہی مالک مکان دبیر صاحب کو فلیٹ خالی کرنے کو کہنے پر مجبور ہو جائے۔

ناشتہ ختم کر کے وہ بھی نیچے اتر آئے۔ اسٹور کھولا تو وہاں کی مصروفیات میں ذرا ذہن بٹا ہی تھا کہ گھر سے اماں کا فون آ گیا۔

فوری طور پر گھر بلاوے کی تاکید کی تھی اور دکان بند کرنے کی ہدایت۔ عزیز اجمل حیران پریشان گھر پہنچے تو اماں بیگ تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ پتا چلا کہ لاہور میں مقیم ابا کے بڑے بھائی ہارٹ اٹیک کے بعد ہاسپٹلائز ہیں۔

"تمہارا ساتھ چلنا بہت ضروری ہے۔ اتنا لمبا سفر ہے اور اپنے ابا کی طبیعت کا تمہیں اندازہ ہی ہے۔ میں اکیلی انہیں کہاں سنبھال سکتی ہوں۔ جلدی سے دو چار جوڑے رکھ لو۔ معلوم نہیں کتنے دن رکنا پڑ جائے۔"

"مگر اماں، اتنے دن دکان کیسے بند رہ سکتی ہے؟" وہ ہچکچائے۔

"اللہ مالک ہے! چند دن تو بلال بھی دیکھ سکتا ہے۔"

پر اس وقت تو تمہارا چلنا بہت ضروری ہے۔" عزیز اجمل بری طرح گرفتار ہوئے تھے۔

ابا بے چارگی کے ساتھ لاؤنج میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ انہیں اپنے بڑے بھائی سے بہت محبت تھی۔

"لے جانے کو تو میں بلال کو بھی لے جاؤں مگر خدا نہ کرے کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو تمہاری موجودگی وہاں زیادہ بہتر رہے گی۔" اماں نے دھیمی آواز میں انہیں سمجھایا تو انہوں نے بھی پر سوچ انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

لاہور میں ان کی تقریباً ساری ددھیال رہتی تھی اور اس قسم کی ناخوشگوار صورت حال میں اپنی دھاک بٹھانے کے ایک سے زائد مواقع میسر آسکتے تھے۔ تایا ابا کی محبت سے بڑھ کر انہیں اپنے اسی پرانے شوق کی کشش نے اماں کی بات ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔

خیال یہی تھا کہ چند دن رک کر واپس آجائیں گے پر ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ ابا کے بڑے بھائی ان لوگوں کے پہنچنے کے چوتھے دن انتقال کر گئے تھے۔ اس المناک حادثے کے بعد ابا کو سنبھالنا آسان نہیں تھا۔ وہ پورے دس بارہ دن تک تو بستر سے اٹھنے کے بھی قابل نہ رہے تھے۔ پریشانی، رنج، اجنبی جگہ، عزیز اجمل کو کئی دن تک ہما تو کیا نازیہ تک کی یاد نے نہیں ستایا۔ اس افراتفری کے عالم میں وہ سارا وقت سخت بدمزہ سے رہے۔ اپنی تعریف سننا تو کجا، الٹا انہیں ہی دوسروں کا احسان مند رہنا پڑا۔ رشتہ کے چچا، پھوپھیوں کے لڑکے ملنسار اور ذمہ دار تھے۔ ابا کو سنبھالنے میں بے حد مددگار ثابت ہوئے اور عزیز اجمل بار بار یہی سوچتے رہے کہ کاش وہ اپنی جگہ بلال کو ہی بھجوا دیتے۔

رفو خالہ اور ان کے میاں، ابا کے پاس تعزیت کے لیے آئے ہوئے تھے۔

خالو کا موڈ آج حیرت انگیز طور پر بدلا بدلا سا محسوس ہو رہا تھا۔ عزیز اجمل کے سلام کا نہ صرف یہ کہ انہوں نے بڑے تپاک سے جواب دیا بلکہ عید، بقر عید کے علاوہ پہلی بار انہیں گلے بھی لگایا۔ ان کا یہ التفات عزیز اجمل کو بوکھلائے دے رہا تھا۔

"یہ کیک، پیسٹری، سموسے بھلا یہ سب لے کر آنے کی کیا ضرورت تھی!" اماں نے کچن میں [illegible] تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لیا۔

"تمہارے ابا کے پاس تعزیت کے لیے آئے ہیں لوگ، کسی مبارک باد کے لیے نہیں جو یہ سارا اہتمام اچھا لگے۔"

عزیز اجمل کو جو سگھڑ بیٹیوں کی طرح بالا ہی بالا سارا انتظام کر لینے پر دل میں نازاں ہو رہے تھے، صفائی پیش کرنی پڑ گئی۔

"کیا فرق پڑتا ہے اماں! خالہ خالو کون سا روز روز آتے ہیں اور ویسے بھی تایا ابا کے انتقال کو تو پچیس دن گزر چکے ہیں۔"

"بہر حال یہ پیسٹری اور گلاب جامن تو رہنے دو، چائے اور..."

"مگر اماں......" وہ ذرا جھنجلائے۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔ ہر بات کا موقع محل ہوتا ہے اور تمہارے ابا تو بعد میں مجھے اتنی باتیں سنائیں گے کہ بہن بہنوئی کی خاطر مدارات کا اچھا موقع ڈھونڈا تھا۔"

اماں انہیں مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر ٹرے اٹھا کر باہر چلی گئیں۔ وہ یونہی کھڑے تھے کہ سیل فون [illegible] بجنے لگی۔ اٹھایا تو آصف تھا۔

کئی دن سے بلکہ لاہور سے آنے کے بعد سے ہی اس سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اپنی مصروفیات کی تفصیل سنانے کے بعد اس کے پاس ایک بے حد سرپرائزنگ خبر تھی!

آصف کا رشتہ طے ہونے جا رہا تھا۔

"بلال کی مہربانی ہے یار! تمہارے پیچھے ایک دن ایسے ہی اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔ بات نکلی تو اس نے ذکر کیا۔ پھر امی اور بہنوں وغیرہ کو لے کر وہی دیر صاحب کے گھر گیا تھا۔" آصف بولے چلا جا رہا تھا اور وہ ظاہر

ہے کہ سننے پر مجبور تھے۔

"بے حد اچھے لوگ ہیں اور وہ ان کی بیٹی ہما تو یار بہت ذمہ دار اور شریف لڑکی ہے۔ میں نے اس کے آفس میں بھی پتا کیا تھا۔ ہر شخص بہت تعریف کرتا ہے۔ بہت کم عمری سے اپنے والد کی ذمہ داریوں کو شیئر کر رہی ہے۔ امی تو گرویدہ ہو گئی ہیں' بس یار سارا کچھ بلال کا ہی کیا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو میری طرف سے اطمینان دلانے والا بھی وہی ہے۔"

بلال کی تعریف انہیں ہمیشہ ہی تیر کی طرح لگتی تھی۔ مگر اس وقت اس تیر کی چبھن سہنا مجبوری تھی۔ آصف اتنا خوش اور مطمئن تھا کہ ٹیلی فون پر ہی بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ بھلا آگے سے کیا کہہ سکتے تھے' سو چپ چاپ سنتے رہے۔

آصف نے فون رکھا تو وہ بجھے دل کے ساتھ خالہ کے پاس جا بیٹھے۔ بلال کے ہاتھوں یہ شکست خاصی ناقابل برداشت تھی۔ رہ رہ کر یہ احساس کہ بلال نے یہ سب محض انہیں نیچا دکھانے کے لیے کیا ہے' دل میں خلش پیدا کر رہا تھا۔

رفو خالہ کے [illegible] بلال کا قصہ اماں کے گوش گزار کرنا چاہا۔ آخر دل کا بوجھ کچھ ہلکا تو کرنا ہی تھا۔

انہیں پہلے ہی علم تھا۔

"مجھے تو بلال نے لاہور سے آتے ہی اگلے دن ساری بات بتا دی تھی۔ تم سے ذکر نہیں کیا؟" وہ الٹا انہی سے سوال کرنے لگیں۔

عزیز اجمل کیا بتاتے! اس رات کی جھڑپ کے بعد ان کی اور بلال کی بات چیت تقریباً" بند تھی۔

"دبیر صاحب کی بیوی آئی تھیں میرے پاس۔ وہ لوگ بھی تیار ہیں۔ اچھے رشتے ملتے کہاں ہیں۔ میں بھی سوچ رہی ہوں تمہارے لیے کوئی لڑکی دیکھوں۔" اماں نے کمبل پھیلا کر اپنی ٹانگوں پر ڈالا۔

"ساری اچھی لڑکیاں ایک ایک کر کے نمٹتی جا رہی ہیں۔ اب تمہاری خالہ ہی سنا گئی ہیں کہ نازیہ کی اگلے مہینہ شادی کی تاریخ رکھی جا رہی ہے۔"

وہ خالی خالی نگاہوں سے اماں کی شکل دیکھنے لگے آس پاس کچھ جیسے بہت زور سے ٹوٹا تھا۔

"رشتہ تو تمہارے خالو جب ملتان گئے تھے' جبھی طے کر آئے تھے۔ ابھی اپنے ابا کے سامنے ذکر مت کرنا۔ وہ کہیں گے کہ میرے بھائی کی تعزیت کے لیے آئے تھے یا بیٹی کے رشتہ کی خبر دینے۔ رفو کہہ گئی ہے کہ اگلے ہفتے خاندان بھر میں مٹھائی تقسیم کروں گی۔"

آج کا دن یقیناً" ان کا نہیں تھا۔ ایک سے ایک بری خبر کی آمد بن بلائے مہمانوں کی طرح برداشت کرنی پڑ رہی تھی۔

نازیہ کے چھن جانے کا خوف انہیں اکثر ستاتا تھا۔ عزیز اجمل کا خیال بلکہ انہیں یقین تھا کہ وہ ایسی کسی صورت حال کو ہرگز بھی نہیں جھیل پائیں گے۔

آئندہ زندگی کے بارے میں انہوں نے جتنے بھی خواب دیکھے تھے وہ سارے نازیہ کے حوالے سے ہی دیکھے تھے۔ اس کے بغیر زندگی گزارنے کے مقابلے میں وہ بے حد جذباتی انداز میں مرنے تک کا سوچ لیتے تھے۔ اب جبکہ وہ خوف حقیقت بن کر سامنے آکھڑا ہوا تھا وہ یقیناً [illegible] اسے جھیلنے پر مجبور تھے۔

اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے!

انسان ساری زندگی کسی ان دیکھے خوف' کسی ناخوشگوار لمحے سے سامنا ہو جانے کا ڈر دل میں چھپائے پھرتا رہتا ہے۔ کبھی تو وہ سارے اندیشے محض اندیشے ہی رہتے ہیں۔ جو کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھار پاتے۔ ایک عمر گزر جانے کے بعد انسان اپنے ان خود ساختہ واہموں پر خود ہنستا ہے اور اپنی خوش بختی پر نازاں ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی کچھ اور بھی ہو جاتا ہے!

عزیز اجمل ان خوش بختوں میں سے نہیں تھے۔ ایک بے حد زور سے لگنے والی چوٹ کی تکلیف کو انہیں سہنا پڑ رہا تھا۔ نازیہ کے چھن جانے کے غم کو انہوں نے دنوں منایا' کھانا پینا چھوٹا' یار دوستوں سے ملنا جلنا چھوڑا۔ راتوں کو تارے گنا کیے مگر جان دینے والی بے وقوفی کرنے سے وہ باز ہی رہے۔ بلکہ ایسا کر گزرنے کی شاید وہ ہمت ہی نہیں رکھتے تھے۔ نازیہ

سے عشق کا دعوا البتہ انہیں ابھی بھی تھا۔



"ارے چھوڑو یہ ساری فضول باتیں! سیدھے سادے طریقے سے گھر بساؤ اور پھر دیکھو زندگی کا لطف۔ یہ عشق و عاشقی تمہارے بس کا روگ نہیں۔ وہ لوگ ہی اور ہوا کرتے ہیں۔"

آصف تقریباً روزانہ ہی چلا آتا۔ اس کی شادی ہما سے ہو چکی تھی۔ اور اب اسی سینیارٹی کی بناء پر وہ ان پر زیادہ سنجیدہ انداز میں تنقید کرتا اور زیادہ کھلے الفاظ میں مذاق اڑاتا۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ تمہیں نازیہ سے محض ایک وقتی لگاؤ تھا جسے اپنی بے وقوفی سے "محبت" سمجھ بیٹھے تھے اور اب یہ پٹے ہوئے ہیرو جیسا حلیہ بنا کر مزید احمق پنے کا مظاہرہ کر رہے ہو۔"

آصف کا بے رحم تجزیہ عزیز اجمل کو بری طرح تپا دیتا۔ اب تو وہ اس گھڑی کو کوستے تھے جب انہوں نے اسے اپنا رازدار بنایا تھا۔ ہما سے شادی کر لینے کے بعد سے تو وہ انہیں یوں بھی "صف دشمناں" میں کھڑا دکھائی دیتا تھا۔

ہما، آصف کی بھابھی ہی دھڑلے سے ان کے گھر آنے لگی تھی۔ نچلی منزل میں اس کا میکہ تھا۔ اس لیے یہاں اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ بلال سے اس کی دوستی اب پہلے سے کہیں زیادہ گہری ہو چکی تھی۔ عزیز اجمل کو اس کے انداز اب بھی ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ پر اب وہ اس بارے میں ایک لفظ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہے تھے۔ بلال، ہما اور آصف کا تکون مکمل دکھائی دیتا تھا اور عزیز اجمل باہر کے آدمی نظر آنے لگے تھے۔ ہما اب بھی ان سے کم سے کم بات کیا کرتی تھی۔

نازیہ کی شادی میں اماں، ابا اور بلال نے شرکت کی۔ وہ ایک دن بھی نہ گئے۔ اماں اصرار کر کر کے تھک گئیں۔ رفو خالہ کے گھر ہر ایک نے پوچھا، پر وہ منہ لپیٹے گھر میں ہی پڑے رہے۔

"کمال ہے! آپ بھائی کے لیے نازیہ کا رشتہ لے لیتیں تو بہت اچھا رہتا۔" بلال ایک دن تنہائی میں اماں سے کہہ بیٹھا۔ کچھ تو اسے خود بھی اندازہ ہو رہا تھا اور دوسرے آصف بھی عزیز اجمل کا بھانڈا پھوڑ چکا تھا۔

"اب اس بات کا کیا ذکر! پہلے کبھی کہتے تو دیکھتی۔" وہ ذرا ناگواری سے بولیں۔

"آپ کو خود سوچنا چاہیے تھا۔ بھائی کی مرضی وہیں تھی۔ بڑی زیادتی ہوئی بے چارے کے ساتھ۔" بلال کو واقعی رنج تھا۔ اس انکشاف پر اماں چند لمحے تو شاک میں رہیں پھر دھیرے سے "جو اللہ کی مرضی" کہہ کر اٹھ گئیں۔

بلال کی بات ان کے دل کو لگ گئی تھی۔ اور اب اس کا مداوا اسی صورت ممکن تھا کہ وہ بیٹے کے لیے کوئی نازیہ سے زیادہ خوبصورت اور باصلاحیت لڑکی ڈھونڈ نکالیں۔ سو وہ اب اسی مہم پر تھیں اور ان کی مددگار تھی ہما۔



[illegible] لیجیے [illegible] عزیز اجمل نے محض ایک نگاہ ڈال کر تینوں تصویریں اماں کے آگے رکھ دیں۔ ان کے تاثرات بتا رہے تھے کہ کوئی بھی مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اتری ہے۔

"کوئی بات نہیں۔ ہما نے ایک، دو اور لڑکیوں کا ذکر کیا ہے۔ انہیں دیکھ لیتی ہوں۔" اماں نے ذرا بھی برا نہ مانا ان کی حرکت کا۔ دراصل وہ بیٹے کے دل سے نازیہ کا غم مٹا دینا چاہ رہی تھیں اور اس کے لیے جتنی خاک چھاننی پڑتی انہیں بخوشی منظور تھی۔

عزیز اجمل اپنے کمرے میں چلے آئے۔

تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں بند کیں تو نازیہ کا چہرہ سامنے آ گیا۔ اس روز رفو خالہ کے گھر جو ملاقات ہوئی، وہی آخری ثابت ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے وہ اسے دیکھ ہی نہ پائے تھے۔ کب بارات آئی اور کب نازیہ رخصت ہو کر ملتان گئی، انہوں نے اس گلی کا دوبارہ رخ ہی نہیں کیا تھا۔

آصف کا کہنا تھا کہ جہاں کوئی اچھی لڑکی ان کی زندگی میں آئی' انہیں پھر بھولے سے بھی نازیہ کی یاد نہیں ستائے گی۔ جبکہ عزیز اجمل کا خیال تھا کہ ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ وفا کی راہ پر مستقل مزاجی سے چلتے ہوئے وہ نازیہ کی یاد کو ہمیشہ تروتازہ رکھنے کا عزم کیے ہوئے تھے۔

"آنٹی! آج جو لڑکی میں آپ کو دکھانے لے جا رہی ہوں' بس سمجھ لیں یہ آخری ہے۔ اس سے اچھی کوئی اور لڑکی کم از کم میرے جاننے والوں میں نہیں ہے۔" ہمانے گھر سے نکلنے سے پہلے ہی اماں کو خبردار کیا۔ اس روز روز کے تماشے سے وہ بھی تنگ آچکی تھی۔ آصف کی وجہ سے مجبور تھی' ورنہ عزیز اجمل کی شادی ہو یا نہ ہو' اس کی بلا سے۔

اب یہ اس کی دھمکی کا اثر تھا یا لڑکی واقعی بہت خوبصورت تھی' بظاہر اماں پر احسان رکھتے ہوئے عزیز اجمل نے لڑکی او کے کر دی۔

لڑکی کا نام شیریں تھا۔ تعلیم انٹر تک تھی۔ گھرانہ کچھ ایسا پڑھا لکھا نہیں تھا مگر باپ بھائی کی ہول سیل مارکیٹ میں کئی دکانیں تھیں۔ عزیز اجمل کو کاروبار وسیع کرنے کے لیے بے بہا مدد مل سکتی تھی۔

آصف نے مبارکباد دی تو وہ اسی پرانے موڈ میں بولے "بس یار کرنی تو تھی ہی ہمنا! جب اپنی خوشی پوری نہیں ہو سکی تو کیوں نہ اماں کی خوشی پوری کر دی جائے!"

"اچھا! اچھا!" آصف قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "اب ہم سے تو یہ استادی کی باتیں مت کرو۔ جیسے تمہیں جانتے نہیں ہیں!" اپنی بات کی مزید تشریح اس نے محض مروت میں نہیں کی۔

رشتے کی بات چیت ابھی بالکل ابتدائی مراحل میں تھی کہ اچانک ہی وہ المناک حادثہ رونما ہو گیا۔

نازیہ کا شوہر اپنے آفس سے واپس آ رہا تھا کہ اس کی موٹر سائیکل کسی گاڑی سے ٹکرا گئی۔ حادثہ شدید تھا۔ تقریباً ڈیڑھ دن ہاسپٹل میں گزار کر وہ زندگی ہار بیٹھا۔ اتنی جوان اور اچانک موت یقیناً ایک دل تڑپا دینے والا واقعہ تھی۔ اماں اور بلال بھی ملتان ہو کر آئے تھے۔ رفو خالہ تو بالکل ہی پلنگ سے لگ گئی تھیں۔ بڑی مشکل سے ان کی حالت سنبھلی تھی اور یوں عدت کا زمانہ سسرال میں گزار کر نازیہ ایک بار پھر ماں باپ کے گھر پہنچ چکی تھی۔

اس حادثہ کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ اماں فی الحال عزیز اجمل کی شادی کا قصہ بھول کر اپنی بہن اور بھانجی کی غم گساری میں مصروف تھیں۔

نازیہ کے واپس آنے کے چند روز بعد ہی اماں نے اپنی بہن کی دعوت کی تھی۔ مقصد یہی تھا کہ غم کے جس گہرے احساس کے وہ لوگ زیر اثر تھے' اس سے انہیں نکلنے میں مدد دی جائے۔

چھٹی کا دن تھا' اسی لیے وہ سب گھر پر ہی تھے۔

نازیہ خاموش خاموش سی تھی۔ سادہ سے روپ میں بھی وہ بے حد اچھی لگ رہی تھی بلکہ سوگواری کا احساس اس کے وجود کو عجب طرح کی دلکشی بخش رہا تھا۔

عزیز اجمل نے چور نگاہوں سے بار بار دیکھا۔ پچھلی رات انہیں [illegible] کے خیال نے بے چین رکھا تھا۔ نیند بار بار ٹوٹی تھی مگر اب تھوڑی دیر بعد ہی نہ جانے کیا ہوا۔

"یہاں کمرے میں کیوں آکر بیٹھ گئے ہیں! باہر آئیں نا بھائی!" بلال نے اندر آتے ہوئے بڑی ملائمیت سے کہا۔ وہ آج بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ مہمانوں کی ساری خاطر مدارات اس نے اپنے سر لے رکھی تھی۔

"تم چلو' میں آتا ہوں!" انہوں نے اسے ٹالنا چاہا۔ وہ خود سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ یوں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ رہنے کی خواہش ان کے دل میں کیوں ابھر رہی تھی۔

"آتا ہوں نہیں' بس اٹھ جائیں!"

"کہا نا آتا ہوں!" اب کے وہ ذرا سختی سے بولے۔

"اچھا پلیز' اب موڈ نہیں خراب کریں!" بلال ہنستا ہوا نصیحت کر کے واپس چلا گیا۔ کئی دنوں بعد دونوں

بھائیوں کے تعلقات بحال ہو سکے تھے اور اس میں سراسر بلال کی ہی کوشش تھی۔

باہر سے رفو خالہ کے بیٹوں اور بلال کی آوازیں آرہی تھیں۔ رابعہ بھی بیچ بیچ میں لقمہ دے رہی تھی مگر نازیہ کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

"یقیناً اسے اپنے شوہر سے بے حد محبت رہی ہوگی!" عزیز احمد کے دل میں یہ خیال کلبلایا۔ نازیہ کی آنکھوں میں چھائی گہری اداسی ان سے چھپی نہیں تھی۔

وہ بے چین ہو اٹھے۔

یہ وہ نازیہ نہیں تھی، جسے انہوں نے چاہا تھا۔ یہ کوئی اور ہی تھی۔ کسی کی بیوی، جس کے ساتھ اس نے مرنے جینے کے وعدے بھی کیے ہوں گے اور اب جس کی جدائی کا احساس اس کی روح کو گھائل کرتا ہوگا۔ اس ان دیکھے شخص سے پہلے انہیں حسد محسوس ہوتا تھا اب رشک آنے لگا تھا۔

"کیا خیال ہے اگلے سنڈے کو پکنک پر نہ چلا جائے۔" عزیز احمد سب کے بیچ آکر بیٹھے تو بلال نے تجویز پیش کی۔

"اچھا ہے، اسی بہانے نازیہ کے ہاتھ کے مزیدار کھانے ہی کھا سکیں گے۔"

بلال کی بات پر وہ مسکرادی۔

"اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے کھانا تو تم کسی دن بھی ہمارے گھر آکر کھا سکتے ہو!"

"واہ، یہ ہوئی نا بات۔ پر ایسا ہے کہ جھیل کنارے اس کھانے کا لطف ہی کچھ اور ہوگا اس لیے۔ اب جلدی جلدی اس پروگرام کو فائنل کرڈالو۔ اور بھائی میرے! آپ کس سوچ میں گم ہیں؟" بلال پرجوش انداز میں بولتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں! کچھ نہیں وہ بس......!"

"پھر دن کرتے ہیں نا!"

"اس اتوار کو تو نہیں پھر کسی اور دن رکھ لینا۔" وہ ٹال گئے۔ بلال اس کام کی نوعیت پوچھتا ہی رہ گیا جو انہیں اس اتوار کو درپیش تھا۔

جاتے وقت رفو خالہ بہت خوش تھیں۔ عزیز احمد نے ان کے چہرے پر چھائی طمانیت کو واضح طور پر محسوس کیا تھا اور اس خیال کی تصدیق بھی ذرا دیر بعد ہی ہو گئی۔

"میں نے رفو سے بات کرلی ہے! بہت خوش تھی۔ کہہ رہی تھی کہ گھر جاکر میاں سے صلاح ومشورہ بھی کرے گی!" اماں کا فاتحانہ انداز، ذو معنی جملے، ابا اور بلال کے مسرت سے دمکتے چہرے۔

بات جب پوری طرح سمجھ میں آئی تو وہ بے حد مضطرب ہو گئے۔

"اب کیسے ممکن ہے اماں! نہیں، نہیں پلیز اب یہ

قصہ نہ چھیڑیں۔"

"قصہ تو چھڑ گیا ہے اور تمہاری دلچسپی جان کر ہی چھیڑا گیا ہے۔ نازیہ تمہیں پسند ہے اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔" اماں کی سمجھ میں ان کا گریز نہیں آرہا تھا۔

"اور وہ جو وہاں آپ نے بات چلا رکھی ہے!"

"ابھی کوئی حتمی فیصلہ تو ہوا نہیں ہے۔ ویسے بھی بیٹیوں والے ہیں وہ لوگ۔ پوری بات سنیں گے تو سمجھ جائیں گے۔"

اولین خواہش پوری ہونے کو آئی بھی تو کس انداز میں! نازیہ کی ساڑھے تین ماہ کی ازدواجی زندگی کا خیال ہر جذبے پر حاوی ہو رہا تھا۔ برتی ہوئی شے انہوں نے کبھی اپنے لیے نہیں چاہی تھی۔

"کیا نازیہ کے بیوہ ہونے پر اعتراض ہے؟" "نہیں۔"

اماں سے زیادہ انہیں کون جان سکتا تھا۔ "تو بیٹا! اگر یہ بات ہے تو جان لو کہ بیوہ سے نکاح کرنا بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔" اماں دھیرے دھیرے سمجھاتی رہیں۔

ابا سے ضبط نہ ہو سکا تو بول پڑے "اور میاں ابھی جو کچھ عرصہ پہلے مرزا صاحب نے اپنے بیٹے کی شادی بیوہ بھتیجی کے ساتھ کی تھی، تو آپ واہ واہ کرنے والوں میں سب سے آگے تھے۔ اب اپنی باری آئی تو......"

"آپ لوگ آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں، جب میں نے منع کر دیا ہے۔" عزیز اجمل بدلحاظی کی حدود کو پار کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "اپنا اچھا برا میں خود سمجھ سکتا ہوں کسی کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" اپنا جملہ مکمل کر کے وہ وہاں رکے نہیں تھے۔

اماں اور ابا تو خیر اپنا رد عمل ظاہر کرنے میں آزاد تھے پر بلال خاموش ہی رہا تھا مگر وہ بے حد حیران تھا۔

آج اپنے بھائی کے متعلق ہر خوش فہمی اس کے دل سے رخصت ہو گئی تھی۔ محبت، ہمدردی، آزمائش ان کی ڈکشنری میں ان الفاظ کا اندراج ہی نہیں تھا۔

کسی اعلیٰ وارفع جذبے کا امین ہونا ان کی سمجھ کے لوگوں کا نصیب بن ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ محض اپنے نفع و نقصان پر نظر رکھنے والے عام سے بلکہ نہیں عام آدمی تو زندگی میں کئی بار اپنا قد بلند کر کے زمانے کو اپنی موجودگی کا احساس دلا دیتا ہے۔ عزیز اجمل تو اس کیٹیگری میں بھی نہیں آتے تھے۔ اس رات وہ بہت سکون سے سوئے۔

اماں اور ابا کی ناراضی محض چند روزہ تھی۔ یہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کا غصہ ٹھنڈا ہوتے ہی وہ انہیں شیریں کا قصہ پھر سے یاد دلا دیں گے اور اس کے بعد تو راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔



صبح جب وہ تیار ہو کر اسٹور جانے کے لیے لاؤنج میں کھڑے تھے تو اندر کمرے سے آتی بلال کی آواز پر ٹھٹک گئے۔ وہ آج گھر پر ہی تھا۔

"آپ دل چھوٹا مت کریں اماں! رفو خالہ سے بات کریں۔ اگر وہ مان جائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے نازیہ سے شادی [illegible]"

اس کے لہجے کی مضبوطی کو محسوس کرتے ہوئے پل بھر کے لیے ان کے دل کو کچھ ہوا۔ مگر دوسرے ہی لمحے ایک طنزیہ مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھیلنے لگی۔ [illegible] کے انداز میں ابرو چڑھاتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ بلال نے ہمیشہ خسارے میں رہنا ہی پسند کیا تھا۔ سرشار قدموں کے ساتھ سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ یہ بات بالکل بھولے ہوئے تھے کہ زندگی سے خوشی کشید کرنے کے لیے چالاکی کی حد تک سمجھ دار ہونا ہی ضروری نہیں، بلکہ یہ نعمت تو محبت کرنے والے بے غرض دلوں کا نصیب بنتی ہے۔ وہ دل جنہوں نے اپنی ذات سے ہٹ کر بھی کچھ سوچا ہوتا ہے۔

وہی محبت کے پھیلاؤ کا سبب بنتے ہیں اور وہی اللہ کی رضا کو پانے کے حقدار کہلاتے ہیں۔